پیغمبرانہ دعوت انقلاب

اور اس کے

اصول و مبادی

(حکیم حیدر زماں صدیقی)

یہ مقالہ حکیم صاحب کی ایک زیر ترتیب کتاب کا پہلا باب ہے۔ حکیم صاحب مسائل زندگی پر اسلامی نقطہ نگاہ سے غور کرتے ہیں اور آپ کا قلم اسلامی نظام حیات کی قدروں کو فروغ دینے کے لئے پوری طرح سرگرم کار ہے۔ اس سے پہلے مختلف جرائد میں آپ کے بعض اچھے تحقیقی مضامین شائع ہو چکے ہیں۔ یہ مقالہ جسے ہم پیش کر رہے ہیں، پاکستان کے اس دور میں جب کہ یہ ملک اسلامی انقلاب کے مرحلوں سے گذر رہا ہے، ایک خاص قدر و قیمت کا حامل ہے۔ (ادارہ)

فن سرجری کا ماہر ڈاکٹر جب جسم کے ناسور کا اپریشن کرتا ہے تو اس کی تمام تر توجہ دو باتوں میں سمٹ جاتی ہے۔ ایک یہ کہ جسم کا کوئی صالح اور صحت مند حصہ اس کے عمل جراحی کی زد میں نہ آ جائے اور دوسرے یہ کہ متعفن اور سمیت آلود مادہ کا کوئی ذرہ جسم کے اندر باقی نہ رہ جائے جس کے جراثیم تعدیہ سے جسم کے دوسرے حصے متاثر ہو جائیں جو ڈاکٹر ان دو باتوں یا ان میں سے کسی ایک سے بے اعتنائی کرتا ہے وہ مریض کو اس ہلاکت آفریں مرض کے چنگل سے بچانے میں ہرگز کامیاب نہیں ہو سکتا۔

حضرات انبیاء علیہم السلام کو مریض معاشرۂ انسانی کے علاج کے لئے خدا کی طرف سے بھیجا جاتا ہے اور ان کی دور رس نگاہ پہلے مرحلہ پر ہی معاشرہ کے تمام فکری، ذہنی، روحانی اور عملی اسقام و مفاسد کا جائزہ لیتی ہے، مثلاً سب سے پہلے وہ تمام خارجی مفاسد کے اصل سرچشمہ یعنی لادینی رجحان فکر کی کھوج لگاتے ہیں جس سے تمام عملی مفاسد پھوٹ کر نکلتے ہیں اور اس کے بعد معاشرہ کے خارجی احوال و شئون کی طرف توجہ کرتے ہیں اسکی معیشت و معاشرت اور سیاست و اجتماع کے طرز و طریق میں جہاں جہاں ان کو خرابی نظر آتی ہے اسکو

چن چن کر سامنے لاتے ہیں اور اس کی اصلاح و تبدیلی میں پوری قوت صرف کرتے ہیں اور پہلے سے جو اچھی چیزیں اس میں موجود ہوتی ہیں ان کو جوں کا توں باقی رکھا جاتا ہے۔ پیغمبرانہ دعوتِ انقلاب کے اس اصولی طریقِ کار سے ایک صالح، صحت مند، مہذب اور مثالی معاشرۂ انسانی معرضِ وجود میں آتا ہے۔

تنظیمِ جماعت

پہلے مرحلہ پر نبی کا کام انسانی قلوب کو وساوس و اوہام اور شکوک و شبہات سے پاک کر کے ان کو ایک مقدس تر اور واضح تر اخلاقی مقصدِ حیات سے متعارف کرنا اور بہ تدریج ان کے رجحانِ فکر اور شعورِ ذہنی میں تبدیلی پیدا کرنا ہے، جو لوگ اس نئی انقلابی جماعت کے رکن بنتے ہیں ان کو پہلے ہی دن یہ بتا دیا جاتا ہے کہ ابھی سے تمہیں زندگی کا نقطۂ نظر بدلنا ہوگا، فکر و ذہن میں تبدیلی پیدا کرنی ہوگی اور اس جدید تصورِ زندگی کے مطابق اپنی سیرت کو ڈھالنا ہوگا۔ اس آئینی معاہدہ (بیعت) سے وہ جماعتِ مسلمہ کی رکنیت اختیار کرتے ہیں، اور اس طرح چند پاکیزہ، نیک سیرت اور بالغ النظر انسانوں کی ایک مختصر سی جماعت تیار ہو جاتی ہے جو اپنے اعلیٰ کردار اور حسنِ عمل کی کشش سے بڑے بڑے مغرور اور متکبر انسانوں کو اپنی طرف کھینچ لاتی ہے۔

تطہیرِ فکر اور تعمیرِ فکر کے اس دوگونہ اسوۂ نبوت کو قرآن حکیم نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:۔

كما ارسلنا فيكم رسولاً منكم يتلو عليكم آياتنا ويزكيكم ويعلمكم الكتاب والحكمة ويعلمكم ما لم تكونوا تعلمون (البقرہ)

جیسا کہ ہم نے تم میں تم ہی میں سے رسول بھیجا جو تمکو ہماری آیتیں پڑھ کر سناتا ہے، تمہارے دلوں کا تزکیہ کرتا ہے اور تمہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور تمہیں وہ باتیں سکھاتا ہے جو تم اس سے پہلے نہیں جانتے تھے۔

یعنی تزکیۂ نفس اور تطہیرِ فکر کے بعد الکتاب والحکمۃ وہ تعمیری لائحہ عمل ہے جس سے فکر و عمل اور سیرت و کردار کی تعمیر ہوتی ہے۔

اخلاصِ مقصد اور تخلیقِ یقین

خود نبی کو اپنے مقصدِ حیات سے نہایت گہری عقیدت ہوتی ہے نیز اسکو اس بات میں غیر متزلزل یقین ہوتا ہے کہ حیاتِ انسانی کے تمام مسائل صرف اُسی نظریۂ زندگی کے توسط سے حل ہو سکتے ہیں جو خدا کی طرف سے اسکو ملا ہے۔ اس لئے وہ پورے عزم و ایمان کے ساتھ لوگوں کے سامنے

اس کا اعلان کرتا ہے، مصائب و آلام کی آندھیاں آتی ہیں، رنج وبلا کے طوفان اٹھتے ہیں، کہیں قتل کی دھمکیاں دی جاتی ہیں اور کہیں جلاوطنی کے منصوبے بنتے ہیں قوم کا بچہ بچہ جانی دشمن بن جاتا ہے، گالیوں اور طعنوں کی ہر طرف سے بوچھاڑ ہو رہی ہوتی ہے مگر نبی کے عزم و ارادہ کا یہ حال ہے کہ وہ پہاڑ کی طرح اپنی جگہ پر کھڑا ہے۔

ولقد کذبت رسل من قبلک فصبروا علی ما کذبوا واوذوا حتی اتٰھم نصرنا ولا مبدل لکلمٰت اللہ ولقد جاءک من نبأ المرسلین (الانعام)

آپ سے پہلے بھی رسولوں کو جھٹلایا گیا، پس انہوں نے جھٹلائے جانے اور اذیت دیئے جانے پر صبر کیا یہاں تک کہ ان کو ہماری مدد پہنچ گئی۔ اللہ کے فیصلوں کو کوئی تبدیل کرنے والا نہیں ہے۔ اور بلاشبہ رسولوں کے واقعات آپ تک پہنچ چکے ہیں۔

حضرت انبیاء علیہم السلام کے ایمان ویقین کا اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام اپنی قوم کی مسلسل ایذارسانی، پیہم تکذیب وتضحیک اور اپنی تنہائی وبے سروسامانی کے باوجود ان الفاظ میں اپنے عزم ویقین کا اعلان کرتے ہیں۔

یٰقوم ان کان کبر علیکم مقامی وتذکیری بآیات اللہ فاجمعوا امرکم وشرکاءکم ثم لا یکن امرکم علیکم غمۃ ثم اقضوا الی ولا تنظرون۔ (سورہ یونس)

اے میری قوم! اگر میرا منصب اور میرا تم کو نصیحت کرنا اللہ کی آیات سے تم پر گراں گذرتا ہے تو میں صرف اللہ پر بھروسا کرتا ہوں پس تم اپنے معبودوں کو ساتھ لے کر اپنے معاملے کو ٹھیک کرلو، تمہارا معاملہ تم پر مشتبہ نہ رہے پھر تم میرا فیصلہ کردو اور مجھے مہلت نہ دو۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی تیرہ سالہ مکی زندگی میں قریش کے ہاتھوں جو مظالم سہے ان کے تصور ہی سے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں، دنیا میں ایک کون ہوگا جس نے اتنی طویل مدت تک ایسے کینہ پرور دشمنوں میں رہ کر مسلسل جگرخراش آلام ومصائب برداشت کیئے ہوں۔ مگر ایک لمحہ کے لئے بھی

اس کا دامن صبر ہاتھ سے نہ چھوٹا ہو، اتنا ظلم و تشدد کہ خود خداوند تعالیٰ نے آپ کے مصائب کی طرف ان الفاظ میں اشارہ کرتے ہیں۔

لولا ان ثبتناک لقد کدت ترکن الیہم شیئاً قلیلا۔ — اگر ہم آپ کو ثابت قدم نہ رکھتے تو آپ کچھ نہ کچھ ضرور ہی ان کی جانب جھک جاتے

حق یہ ہے کہ یہ عشق و مستی کا وہ مقام ہے جہاں جسمانی اذیتوں اور حوصلہ شکن مصائب کا بطیب خاطر استقبال کیا جاتا ہے۔

عشق بازی را تحمل بایدا ے دل عشق باز — گر بلائے بود بود و گر خطائے رفت رفت

آپ جس سرزمین میں رہتے ہیں وہاں ہر طرف سے آپ کی دعوت میں روکاوٹیں پیدا کی جاتی ہیں، آپ سے اور آپ کے پیروؤں سے یہ کہکر مذاق اڑایا جاتا ہے کہ دیکھو ان کا حال کیا ہے کہ کھانے کو روٹی میسر نہیں ہے اور پہننے کو کپڑا نہیں ہے اور ان کی باتیں سنو تو روئے زمین کی حکومت خلافت کے خواب دیکھ رہے ہیں غرض قدم قدم پر روح فرسا اور ہمت شکن حالات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے مگر دشتِ بلا کی ہر ٹھوکر سے ان کے عزم و ایمان میں پختگی اور قدم ہمت میں ثبات و استقلال پیدا ہوتا چلا جاتا ہے۔

وادیٔ عشق اگر دور و دراز ست و لے — طے شود جادۂ صد سالہ بہ آہے گاہے

نبی کا سینہ ابتدا ہی سے نور و ایمان سے منور ہوتا ہے لیکن اہل زمانہ کے عمل و کردار کی ظلمت جس قدر تیز اور گہری ہوتی چلی جاتی ہے اسی قدر اسکی نگاہِ حقیقت شناس نمودِ صبح کی جلوہ پاشیوں کو قریب تر دیکھتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ اسکو تحمل شدائد سے دکھ نہیں ہوتا بلکہ لذت محسوس ہوتی ہے۔

ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا تتنزل علیہم الملائکۃ ان لا تخافوا ولا تحزنوا وابشروا بالجنۃ التی کنتم توعدون۔ نحن اولیاکم — بے شک جن لوگوں نے یہ کہا کہ ہمارا پروردگار صرف اللہ ہی ہے اور پھر اِس قول پر مضبوطی سے ڈٹ گئے ان پر فرشتے نازل ہوتے ہیں (جو ان کو یہ کہتے ہیں کہ) ڈرو نہیں اور نہ غم

فی الحیوۃ الدنیا وفی الاخرۃ ولکم فیہا ما تشتھی انفسکم ولکم فیھا ما تدعون نزلاً من غفور رحیم

کھاؤ اور جس جنت کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے اس پر خوشی مناؤ۔ ہم دنیا اور آخرت میں تمہارے مددگار ہیں اور تمہارے لئے جنت میں وہ سب کچھ ہے جس کی تم خواہش رکھتے ہو اور جو کچھ تم مانگتے ہو، یہ بخشنے والے، اللہ رحم کرنے والے خدا کی طرف سے مہمانی ہے۔

حضرت خبابؓ جناب رسالت مآب صلعم کی خدمت میں حاضر ہو کر رنج و آلام کا شکوہ اور آپ سے دعا کی درخواست کرتے ہیں، آپ ان ستم رسیدہ اور مظلوم انسانوں کو یوں خطاب کرتے ہیں:-

قال کان الرجل فی من کان قبلکم یحفر لہ الارض فیجعل فیہ فیجاء بالمنشار فیوضع علیٰ رأسہ فیشق و ما یصدہ ذالک لمن دینہ و یمشط بامشاط الحدید ما دون لحمہ من عظیم و عصب وما یصدہ ذالک عن دینہ واللہ لیتمن ھذا الامر حتی یسیر الراکب من صنعاء الیٰ حضرموت لایخاف الا اللہ و ولکنکم تستعجلون۔ (خرجہ البخاری)

تم سے پہلے ایسے لوگ ہو گذرے ہیں کہ زمین میں گڑھا کھود کر ان کو اس گڑھے میں لٹایا جاتا اور پھر ان کے سر پر آرا رکھ کر ان کو چیر دیا جاتا تھا لیکن یہ آزمائش ان کو دین سے نہ پھیر سکتی تھی۔ ان کے جسم میں لوہے کی کنگھی کے دندانے اس طرح کھبوتے جاتے کہ وہ گوشت سے نیچے انکی ہڈی اور پٹھوں کو چھلنی کر دیتے تھے لیکن یہ مصیبت بھی ان کو راہ حق سے نہ پھیر سکتی تھی۔ خدا کی قسم یہ امر (اسلام) مکمل ہو کر رہیگا اور (اس طرح ہمہ گیر امن قائم ہوگا) کہ سوار صنعاء سے حضرموت تک چلا جائیگا اور اسکو اللہ کے سوا کسی کا خوف نہ ہوگا لیکن تم بہت جلدی کرتے ہو۔

یہ تو خود انبیا علیہم السلام کا حال ہے لیکن جو لوگ سچے دل سے حضرات انبیاؑ پر ایمان لاتے ہیں ان کو بھی کچھ ایسا ہی ذوق یقین حاصل ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے مقصدِ حیات کی راہ میں پیش آنے والی بڑی سے بڑی آزمائش کو خوش آمدید کہتے ہیں، کلمۂ حق کے اعلان و اظہار میں اتنے بے باک ہوتے ہیں کہ دنیا کے بڑے مغرور

ومتکبر انسان ان کی نگاہ میں نہیں جچتے اور وہ بے خوف وخطر ان کے پر ہیبت درباروں میں گھس جاتے ہیں اور ان کی نگاہِ ایمانی سے ان ظالم وجابر حکمرانوں کے پرشکوہ تخت وسریر لرزا ٹھتے ہیں۔

باسلاطیں درفتد مردِ فقیر　　　از شکوہِ بوریا لرزد سریر

ان کی ضربِ لاالٰہ سے بتانِ باطل ریزہ ریزہ اور ان کے ہاتھوں سے اربابِ اقتدار کی قباء کہنہ چاک چاک ہو جاتی ہے۔

ریزہ ریزہ از ضربِ اُو لات ومنات　　　درجہات آزاد از بند جہات

ہر قبائے کہنہ چاک از دستِ اُو　　　قیصر وکسریٰ ہلاک از دستِ اُو

مصر کا مغرور اور متکبر بادشاہ اپنے تمام لاؤ لشکر کے ساتھ کھڑا ہے۔ اسکی ہیبت وشوکت سے لوگوں کے دل لرز رہے ہیں، نظریں سہمی ہوئی ہیں، رگوں میں خون خشک ہو رہا ہے اور کسی کو اس کے سامنے لب کشائی کی جرأت نہیں ہے۔ اس حالت میں اسکی نگاہِ غرور اٹھتی ہے اور وہ اپنی قوم کو یوں خطاب کرتا ہے۔

قال فرعون ذرونی اقتل موسیٰ　　　فرعون نے کہا کہ مجھے چھوڑو۔ میں موسیٰ کو قتل

ولیدع ربہ انی اخاف ان یبدل　　　کردوں، اور وہ اپنے رب کو پکارے۔ مجھے

دینکم او ان یظھر فی الارض الفساد　　　ڈر ہے کہ وہ تمہارے دین کو بدل دے گا یا

زمین میں فساد کھڑا کرے گا۔

اس اجتماع میں فرعون ہی کی قوم کا ایک خداشناس انسان بھی موجود تھا جو اگرچہ پہلے سے نورِ ایمان سے منور ہو چکا تھا مگر اس سے پہلے اس نے اپنے ایمان کو ظاہر نہ کیا تھا، فرعون کے ان پُرغرور الفاظ کے بعد وہ ضبطِ سخن نہ کر سکا، اب اس کے لئے ناممکن ہو گیا تھا کہ وہ جس نظریۂ زندگی کو صحیح سمجھتا ہے اسکو دل ہی میں چھپائے رکھے اور زبان سے اس کا اظہار واعلان نہ کرے۔ یہ وقت بڑا ہی نازک تھا فرعون کی ایک ہی جنبش زبان سے اس کا سر قلم کیئے جانے کا خطرہ تھا اور وہ بھی جانتا تھا کہ اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ساتھ دینا فرشتۂ موت کو دعوت دینا ہے۔ مگر اس کی خلشِ ایمانی نے اسکو کچھ اس طرح

بے قرار و مضطرب کر دیا کہ فرعون کی حشمت و جاہ اور جلال و شکوہ اسکو مرعوب نہ کر سکا چنانچہ یہ مرد مومن اس موقعہ پر کھڑے ہو کر فرعون اور اسکی قوم کو خطاب کرتا ہے۔

اتقتلون رجلا ان یقول ربی اللہ وقد جاءکم بالبینات من ربکم وان یک کاذبا فعلیہ کذبہ وان یک صادقا یصبکم بعض الذی یعدکم ان اللہ لا یھدی من ھو مسرف کذاب (المومن)

کیا تم ایسے آدمی کو قتل کرنا چاہتے ہو جو کہتا ہے کہ میرا پروردگار صرف اللہ ہے اور وہ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے واضح دلائل و براہین لے کر آیا ہے۔ اگر وہ جھوٹا ہے تو اس کے جھوٹ کا وبال اسی پر پڑے گا اور اگر سچا ہے تو تم پر اس عذاب الٰہی کا کچھ حصہ ضرور ہی آ پڑے گا جس کا وہ تم سے وعدہ کرتا ہے بے شک اللہ تعالیٰ اس شخص کو ہدایت نہیں کرتا جو حد سے بڑھنے والا اور ریب و شک میں مبتلا ہو۔

اس مرد مومن کو اپنے عقیدہ و مسلک کی صداقت پر اتنا بھروسا ہے کہ وہ حیرت انگیز عزم و یقین کے ساتھ قوم کو اپنے مسلک کی دعوت دیتا ہے۔

یٰقوم اتبعون اھدکم سبیل الرشاد

اے میری قوم تم میرے پیچھے چلو۔ میں تم کو ہدایت کی راہ دکھاتا ہوں۔

اور اس قوم کے انجام کے متعلق بھی وہ کس درجہ محکم اور غیر متزلزل یقین رکھتا ہے۔

فستذکرون ما اقول لکم وافوض امری الی اللہ ان اللہ بصیر بالعباد (المومن)

تم بہت جلد اس بات کو یاد کروگے جو میں تم سے کہتا ہوں۔ اور میں اپنا معاملہ خدا کے سپرد کرتا ہوں بے شک اللہ تعالیٰ بندوں کے حال کو دیکھنے والا ہے۔

حاصل یہ ہے کہ حضرات انبیاء جن لوگوں کے ذریعہ انقلاب بپا کرتے ہیں وہ سب چشمۂ نبوت سے فیضیاب ہوتے ہیں اور ان کو مقصد سے اس قدر گہری عقیدت ہوتی ہے کہ اس کے لئے جان و مال اور اولاد کی

قربانی ان کی نظر میں ہر بات سے آسان تر ہوتی ہے۔

تمنّت سُلیمیٰ ان نموت بحبہا　　　واھون شیئٍ عندنا ما تمنّت

تربیتِ فکر و عمل | اخلاصِ مقصد اور تقویتِ یقین کے لئے یہ ضروری ہے کہ افرادِ جماعت کو کچھ ایسے احکام و فرائض کی پابندی کا عادی بنایا جائے جن سے ان کا ذوقِ یقین بڑھے۔ ان کی عملی صلاحیتوں کو فروغ حاصل ہو، جذبۂ منفعتِ ذات کمزور اور اجتماعی و ملی احساس تیز تر ہوتا جائے۔ طبیعتوں میں ضبط و نظم اور سیرت و کردار میں پاکیزگی پیدا ہوتی جائے۔

ان مقاصد کی تکمیل کیلئے خدائے قدوس کی طرف سے کچھ عبادات کی پابندی عائد کی جاتی ہے نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج بظاہر چند مذہبی رسوم ہیں جن کا انسان کی اجتماعی زندگی سے کوئی تعلق نہیں ہے لیکن دقتِ نظر سے دیکھا جائے تو یہ فکر و عمل کی تربیت کے لئے ایک مکمل نصاب ہے۔ اسلام میں دوسرے مذاہب کی طرح عبادت محض رسوم و آداب کا نام نہیں ہے کہ مندر یا گرجے میں پہنچ کر آپ چند مقررہ رسمیں ادا کرنے کے بعد یہ سمجھ لیں کہ بس اب ہمارا خدا ہم سے خوش ہو جائے گا اور اب زندگی کے دوسرے معاملات میں ہماری اپنی مرضی کام کرے گی یعنی اب ہم خدا کی مملکت سے نکل کر انسانی مملکت میں آگئے ہیں اور یہاں خدا کی مرضی کی رعایت رکھنا ضروری نہیں رہا۔

دراصل اسلامی عبادت زندگی کے اجتماعی نظام کا ایک حصہ ہے اور اس کو ایک لمحہ کے لئے بھی زندگی کے معاملات سے الگ نہیں کیا جا سکتا چنانچہ قرآن حکیم نے مطلق عبادت اور خاص خاص عبادات کا جہاں جہاں ذکر کیا ہے، ان کے مصالح و حکم بھی ساتھ ہی بیان کر دیئے ہیں، جیسا کہ عام عبادت کی نسبت قرآن کریم نے واضح طور پر کہہ دیا ہے۔

انا انزلنا الیک الکتاب بالحق فاعبد اللّٰہ　　　ہم نے ہی اے نبی آپ کی طرف کتاب اتاری ہے۔
مخلصًا لہ الدین الا للّٰہ الدین الخالص (زمر)　　　پس آپ اللہ کی عبادت کریں اپنے دین کو اسی کے لئے خالص کر کے۔ یاد رکھو کہ دین خالص اللہ ہی کیلئے ہے۔

قل انی اُمرتُ ان اعبد اللّٰہ مخلصًا　　　اے نبی آپ کہدیں کہ مجھے یہ حکم ملا ہے کہ میں

لہ الدین۔ (زمر)

اللہ کی عبادت کر دین کو اس کے لئے خالص کر کے۔

ان آیات سے ظاہر ہے کہ اسلام میں عبادت، نظام اطاعت کا ایک حصہ ہے، وہ جماعت مسلمہ کے ہر رکن سے اسلام یہ مطالبہ کرتا ہے کہ وہ عبادت اور اطاعت کو ایک ہی ذات کے لئے مخصوص کر دے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ عبادت تو اللہ کیلئے ہو اور زندگی کے دوسرے معاملات میں ہوائے نفس یا غیر الٰہی قانون کی اطاعت کی جائے یعنی اسلام آپ کو یہ اجازت نہیں دیتا کہ آپ اپنی زندگی کو دو حصوں میں تقسیم کر دیں ایک حصہ تو خدا کے لئے ہو اور دوسرا شیطان کے لئے! بلکہ اسلام آپ سے یہ چاہتا ہے کہ آپ کی پوری زندگی خدا کی مرضی کے مطابق بسر ہو۔

یا ایھا الذین آمنوا دخلوا فی السلم کافۃ ولا تتبعوا خطوات الشیطان (آیہ)

اے ایمان والو تم داخل ہو جاؤ اسلام میں مکمل طور پر اور شیطان کے نقوشِ قدم کا اتباع مت کرو

ایک دوسری جگہ عبادت کا یہ مقصد بیان کیا گیا ہے :۔

فاعبد ربک حتی یاتیک الیقین (الحجر)

پس آپ عبادت کریں اپنے رب کی یہاں تک کہ آپ کو یقین کا اعلیٰ مقام حاصل ہو جائے۔

اسی طرح خاص خاص عبادات کو قرآن حکیم بار بار ذکر کرتا ہے اور ہر مرتبہ ان کی کسی خاص حکمت و مصلحت کو بھی بالوضاحت بیان کرتا ہے۔ مثلاً نماز کے متعلق ایک جگہ ارشاد ہوا ہے

واقم الصلوٰۃ ان الصلوٰۃ تنھی عن الفحشاء والمنکر۔ (العنکبوت)

اور آپ نماز قائم کریں۔ بے شک نماز بے حیائی اور برائی سے باز رکھتی ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز کو شخصی اور اجتماعی سیرت کی اصلاح و تعمیر میں خاص دخل ہے۔ اور جو نماز انسان کے اخلاق کو بلند کرنے اور سیرت و کردار کی اصلاح و تعمیر سے قاصر رہے وہ حقیقت میں نماز ہی نہیں ہے۔

تسویۂ صفوف کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:۔

لتسون صفوفکم او لیخالفن اللّٰہ بین وجوھکم (اخرجہ الترمذی)

تم اپنی صفیں سیدھی کرو گے ورنہ اللہ تعالیٰ تم میں اختلاف پیدا کر دے گا۔

قرآن کریم میں روزے کے متعلق ارشاد ہوا ہے۔

یا ایھا الذین اٰمنوا کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون (بقرہ)

اے اہل ایمان! تم پر روزے فرض کئے گئے ہیں جیسے کہ ان لوگوں پر فرض کئے گئے تھے جو تم سے پہلے ہو گزرے ہیں تاکہ تم صاحبِ تقویٰ بن جاؤ۔

"تقویٰ" کی اصطلاح قرآن حکیم میں ہر جگہ اور ہر موقعہ پر استعمال ہوئی ہے اور اس کا مفہوم اتنا جامع اور اتنا وسیع ہے کہ زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی ہے۔ اسی سے بلند سیرت اور پاکیزہ اخلاق کی تشکیل ہوتی ہے، اسی سے سیاستِ عادلہ اور معیشتِ صالحہ عالم وجود میں آتی ہے اور اسی سے ایک مہذب تر اور صحت مند معاشرہ تیار ہوتا ہے:۔

یا ایھا الذین اٰمنوا اتقوا اللّٰہ وقولوا قولاً سدیداً یصلح لکم اعمالکم (سورۃ احزاب)

اے اہل ایمان! تم اللہ سے ڈرو اور ٹھیک ٹھیک بات کہو۔ اللہ تمہارے اعمال کو درست کر دیگا۔

بلکہ اگر تعمق نظر سے دیکھا جائے تو تقویٰ ہی وہ حقیقی طاقت ہے جو انسان کو شرفِ انسانی کی بنا پر لو پر کھڑا کرتی ہے۔ اس کے اعمال میں اعتدال و توازن قائم رکھتی ہے اور اسکو حقیقی غلبۂ اقتدار عطا کرتی ہے۔

یا ایھا الذین آمنوا ان تتقوا اللّٰہ یجعل لکم فرقاناً ویکفر عنکم سیّاٰتکم (الانفال)

اے ایمان والو اگر تم اللہ سے ڈرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے لئے فرقان (حق اور باطل میں فرق کرنے والی قوت) پیدا کر دے گا اور تمہاری برائیوں کو تم سے مٹا دے گا۔

زکوٰۃ کی اجتماعی اور ملی حیثیت بالکل ظاہر ہے، چنانچہ قرآن حکیم نے اسکو ایک اجتماعی فریضہ

قرار دیا ہے اور مرکزِ ملت کو اختیار دیا ہے کہ وہ زکوٰۃ کے نظم و نسق کو اپنے ہاتھ میں لے کر حسب حاجت و ضرورت مستحقین میں تقسیم کرے ۔ اِس سے دو قسم کے نتائج برآمد ہوتے ہیں ایک یہ کہ ملت کے وہ افراد جو خود کمانے سے معذور ہیں باعزت طریق سے زندگی بسر کر سکتے ہیں اور وہ دوسروں پر بوجھ نہیں بنتے ، اس کے نتیجہ کے طور پر معاشرہ میں امکانی حد تک معاشی مساوات رونما ہوتی ہے ۔ دوسرے یہ کہ زکوٰۃ دینے والے لوگوں میں جذبۂ منفعتِ ذات فنا ہو جاتا ہے اور اس سے ان کے نفوس کا تزکیہ ہوتا ہے ۔

خذ من اموالهم صدقة تطهرهم وتزكيهم بها وصلِّ عليهم ان صلوتك سكنٌ لهم (التوبہ)

آپ ان کے اموال سے صدقہ لیں جو ان کو پاک کرے گا اور ان کے نفوس کا تزکیہ کرے گا ۔ اور ان کے حق میں دعا کریں ، آپ کی دعا ان کے لئے باعث طمانیتِ خاطر ہے ۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تؤخذ من اغنیاءھم وترد الی فقرائھم (صحاح)

زکوٰۃ مالداروں سے لی جاتی ہے ، اور اہلِ احتیاج میں تقسیم کی جاتی ہے ۔

بالکل یہی حال فریضۂ حج کا ہے کعبۃ اللہ مسلمانانِ عالم کا روحانی اور ملی مرکز ہے اور سال میں ایک مرتبہ تمام دنیا کے مسلمانوں کے سربرآوردہ افراد کا اجتماع ہمہ گیر جذبۂ اخوتِ اسلامی کی تجدید کرتا ہے اور اس سے بیشمار شخصی ، اجتماعی اور ملی نتائج و ثمرات پیدا ہوتے ہیں خدائے قدوس نے "قیاماً للناس" کے الفاظ میں اس نکتہ کی طرف اشارہ کیا ہے ۔ اس کے علاوہ حج کے بارے میں بھی قرآن حکیم نے "تقویٰ" کی اصطلاح استعمال کی ہے جس کی وضاحت پہلے ہو چکی ہے ۔

لن ینال اللہ لحومها ولا دماؤها ولکن یناله التقوی منکم (سورۃ حج)

اللہ کے پاس قربانیوں کے گوشت اور خون نہیں پہنچتے ۔ بلکہ تمہارا تقویٰ ہی پہنچتا ہے ۔

حاصل یہ ہے کہ اسلامی عبادات سے مقصود بالذات اگرچہ تعلق باللہ کو تقویت دینا ہے لیکن تعیق ایسا نہیں ہے کہ زندگی کے دوسرے شعبے رجیدہ سری قوموں میں دین کی گرفت سے آزاد ہوتے ہیں)

اس تعلق سے یہ نیا نہ ہوں بلکہ یہاں پوری زندگی اسی محور کے گرد گھومتی ہے۔

مصلحت کلیہ کی رعایت معاشرہ کی سیاست و معیشت میں سطحی انقلاب لانا کچھ زیادہ مشکل نہیں ہے، محض مادی قوت، فوجی حملہ و ہجوم، جبر و تشدد، وحشت و بہیمیت، سیاسی جوڑ توڑ، پارٹی پالیٹکس کے بے مغز دعاوی اور بعض دفعہ بے مقصد ہنگامہ آرائیوں اور بے حقیقت نعروں سے بھی ایسا انقلاب برپا کیا جا سکتا ہے لیکن تعمیری انقلاب جو اسوۂ نبوت کے ذریعہ معرض وجود میں آتا ہے۔ انتہائی مشکل اور سخت وقت طلب ہے۔ اس میں سب سے پہلے انسانوں میں انقلابی فکر اور اسلامی ذہن پیدا کرنا پڑتا ہے اور پھر بہ تدریج پوری زندگی کو بالکل ایک نئے سانچے میں ڈھالنا پڑتا ہے۔ اس راہ میں جو عملی مشکلات پیش آتی ہیں ان کا اندازہ وہی شخص کر سکتا ہے جو حقیقی انقلاب اور سطحی انقلاب کے فرق کو سمجھنے کی اپنے اندر صلاحیت رکھتا ہے اور جو اس میدان کارزار کا مرد شمشیر زن ہے اور جن لوگوں کے یہاں خواہش تن پروری کی تسکین ہی زندگی کا حقیقی مسئلہ ہے اور ان کا پورا فلسفۂ زندگی انہی بنیادوں پر اٹھایا گیا ہے وہ انبیاء علیہم السلام کی انقلابی مہم کی حقیقت کو کیا سمجھ سکتے ہیں۔

منصور بر سر دار ایں نکتہ خوش سراید از فلسفی پرسید امثال ایں مسائل!

اس راہ کی ایک بڑی مشکل یہ ہے کہ جو عقائد و خیالات لوگوں میں نسلاً بعد نسل چلے آتے ہیں ان کی عقیدت و محبت کچھ اس طرح قلوب و اذہان پر مسلط ہوتی ہے کہ وہ ان کے خلاف معمولی سے معمولی بات بھی سننا پسند نہیں کرتے، اور انبیاء علیہم السلام کی دعوت قلوب و اذہان کے تزکیہ و تطہیر ہی سے کام کی ابتدا کرتی ہے۔ اور پھر دوسرے مرحلہ پر نئے عقائد و خیالات اور علوم و افکار سے اس خلا کو پُر کیا جاتا ہے جس کو تعمیر فکر کہتے ہیں۔

دوسری مشکل یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور ان کے متبعین کا مقصد محض جزوی انقلاب برپا کرنا نہیں ہوتا بلکہ وہ زندگی کے ہر شعبہ میں مکمل تبدیلی پیدا کرتے ہیں، ظاہر ہے کہ ایسی تبدیلی جس میں زندگی کا نقطۂ نظر ہی بدل جائے اور انسان کا ظاہر و باطن سراسر منقلب ہو جائے اتنا محنت طلب اور کٹھن ہے کہ عصر حاضر کا انسان اس کا تصور ہی نہیں کر سکتا۔ اور توفیق الٰہی کے سوا اس کام کی تکمیل دشوار ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے۔

ان عملی مشکلات کے علاوہ انسانی نفسیات کا مطالعہ بھی ناگزیر ہے۔ چونکہ جماعت کے بنیادی اصول و مقاصد کے اقرار و تسلیم کے بعد جماعت میں داخل ہوتے ہیں ان کی ذہنی، فکری اور عملی صلاحیتیں یکساں نہیں ہوتیں، کوئی فطرتِ صالحہ رکھتا ہے جو پہلے سے قبولِ حق کے لئے آمادہ ہوتی ہے اور کوئی محض دیکھا دیکھی جماعت میں شامل ہو جاتا ہے اور اس کے شعور و ذہن میں کوئی خاص تبدیلی رونما نہیں ہوتی۔ ایک اعلیٰ درجہ کا ذہین ہے جو جدید فکر کو قبول کرنے کے بعد فوراً اس کے تمام تقاضوں کو سمجھ لیتا ہے اور دوسرا اتنی سوجھ بوجھ نہیں رکھتا کہ اس انقلابی فکر کو زندگی کے تمام پہلوؤں پر حاوی کر سکے۔ اس لئے ہو سکتا ہے کہ کچھ لوگ جماعت میں آنے کے بعد دین کے نظریات اور نظم جماعت کی شدید پابندیوں سے عہدہ برآ ہونے کی پوری صلاحیت نہ رکھتے ہوں اور ان کی اصلاح و تربیت پر کافی وقت صرف کرنے کی ضرورت ہو مگر ان کی کامل تربیت سے پہلے دعوتی مہم کی راہ میں ان کو اپنے ساتھ چلانا اعلیٰ درجہ کی انتظامی بصیرت، غیر معمولی ذہانت اور ملت کی اجتماعی مصلحتوں کے فہم و ادراک کا متقاضی ہے۔

ان حقائق کے پیش نظر انقلابی مہم کی کامیابی صرف اسی صورت میں ممکن ہے کہ پہلے جماعت کی ذہنی اور عملی صلاحیتوں کا جائزہ لیا جائے اور حقیقت شناس نگاہ سے اس بات کا تعین و احساس کیا جائے کہ فکر و عمل، ماحول اور حالاتِ زمانہ کے پیش نظر جماعت کا موقف کیا ہے؟ اور ان مخصوص حالات میں اس سے کتنا کام لیا جا سکتا ہے؟ انبیاء علیہم السلام کی دعوت کا یہی وہ مشکل ترین مقام ہے جس میں دوسرے لوگ بالعموم غلط راہ اختیار کر جاتے ہیں اور جس سے ان کا تمام کیا کرایا اکارت چلا جاتا ہے۔

نیز اس دعوت کا امتیاز یہ ہے کہ اس میں فوری نتائج (العاجلہ) کے مقابلہ میں دوررس نتائج یا ملت کی مصلحت کلیہ (العاقبہ) کو بہرحال ترجیح دی جاتی ہے۔ یہ ایک قانونِ کلی ہے اور اسوۂ نبوت کی روشنی میں اس سے سیکڑوں جزئیات اخذ کیے جا سکتے ہیں۔

مثال کے طور پر یوں سمجھئے کہ انکارِ منکر برائی کے خلاف اظہار نفرت مسلمانوں کا مذہبی اور ملی فریضہ ہے اور اس کی ضرورت و اہمیت کا اندازہ ان بے شمار آیاتِ قرآنی اور احادیثِ نبوی سے ہو سکتا ہے جو اس باب میں وارد ہوئی ہیں لیکن بایں ہمہ دعوتِ اقامتِ دین کی راہ میں ایسے حالات بھی

پیش آسکتے ہیں کہ یہ فریضہ نہ صرف یہ کہ ساقط ہو جاتا ہے بلکہ اس کا ترک ضروری ہو جاتا ہے چنانچہ علماء و مفکرین نے اس اصول کو جو قرآنی آیات اور اسوۂ نبوت سے ماخوذ ہے باقاعدہ قانونی شکل دے دی ہے۔ علامہ ابن قیم اپنی مشہور و معروف کتاب "اعلام الموقعین" میں لکھتے ہیں:-

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم شرع لامتہ انکار المنکر لیحصل بانکارہ من المعروف ما یحبہ اللہ ورسولہ فاذا کان انکار المنکر یستلزم ما ھو انکر منہ وابغض الی اللہ ورسولہ فانہ لا یسوغ انکارہ وان کان اللہ یبغضہ ویمقت اھلہ وھذا کالانکار علی الملوک والولاۃ بالخروج علیھم فانہ اساس کل شر وفتنۃ الی آخر الدھر وقد استأذن الصحابۃ رسول اللہ صلعم فی قتال الامراء الذین یؤخرون الصلوۃ عن وقتھا وقالوا افلا نقاتلھم فقال لا ما اقاموا الصلوۃ وقال من رای من امیرہ ما یکرھہ فلیصبر ولا ینزعن یدا من طاعتہ ومن تامل ما جری علی الاسلام فی الفتن الکبار والصغار رآھا من اضاعۃ ھذا الاصل وعدم الصبر علی منکر فطلب ازالتہ فتولد منہ ما ھو اکبر منہ: (اعلام الموقعین)

آنحضرت صلعم نے برائی کے خلاف اظہار نفرت کرنا امت کیلئے ضروری قرار دیا ہے تاکہ برائی کے مٹنے سے معروف حاصل ہو لیکن اگر انکار منکر سے اکبر یعنی اس سے بھی بڑی برائی پیدا ہوتی ہو تو اس کا انکار ہرگز مناسب نہیں ہے اگرچہ اس منکر کو اللہ تعالیٰ برا سمجھتا ہے اور منکر کا ارتکاب کرنیوالوں کو سزا دیتا ہے۔ اس کی مثال جیسے کہ امراء و ملوک کے خلاف خروج کرنا ہے جو ہمیشہ فتنہ و شر کی اساس ہے صحابہؓ نے رسول اللہ صلعم سے اُن امراء کیخلاف جنگ کرنیکی اجازت طلب کی جو نماز کو وقت سے موخر کر دیتے ہیں اور کہا کہ کیا ہم ان سے قتال نہ کریں؟ آپ نے جواب دیا ہرگز نہیں جب تک وہ نماز قائم کرتے رہیں۔ اور فرمایا جو شخص اپنے امیر سے کوئی ایسی بات دیکھے جسکو وہ ناپسند کرتا ہے تو اسے صبر کرنا چاہیئے اور اطاعت سے ہاتھ نہیں کھینچنا چاہیئے۔

اسلام پر جتنے چھوٹے بڑے فتنے نازل ہوئے ہیں ان پر اگر دقتِ نظر سے غور کیا جائے تو یہ بات خود بخود ہی نظر آجائیگی کہ یہ سب کچھ اس اصل کے ضائع کرنے اور اس کی رعایت نہ کرنے کی وجہ سے ہوا۔ یعنی منکر پر صبر کرنے کی بجائے اس کے ازالہ کی کوشش کی گئی اور نتیجہ کے طور پر اس سے بڑی برائی پیدا ہوتی چلی گئی: